محمد جعفر پھلواروی

اسلام اور فطرت

(سلسلہ کے لیے دیکھیے ثقافت جنوری ۱۹۶۲ء)

حدیثِ فطرت

اس کے بعد آیئے ایک نظر اس حدیث پر بھی ڈال لیں جس میں کہا گیا ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الفاظ حدیث یہ ہیں: مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ یہ روایت نسائی کی ہے۔ شیخین یعنی بخاری و مسلم کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں کما تنتج البہیمۃ بہیمۃ جمعاء ہل تحسون فیہا من جدعاء ثم یقول فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ۔ ذلک الدین القیم۔ یعنی جیسے کہ ایک چوپایہ سالم کان لے کر پیدا ہوتا ہے۔ کیا اس میں تمہیں کوئی گوش بریدہ چوپایہ بھی نظر آتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی کہ فطرۃ اللہ التی الخ۔

مقصدِ حدیث صاف ظاہر ہے۔ کہ کوئی چوپایہ گوش بریدہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہ قطع و برید انسانی ہاتھوں کے کرشمے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح انسان فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین (والدین سے مراد صرف ماں باپ نہیں بلکہ موثر ماحول ہے خواہ والدین ہوں یا مربی یا عام سوسائٹی) اس کی فطرت میں ٹیڑھ پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ تجربہ کر کے دیکھیے۔ بچے کو غلط فہمی تو ہو سکتی ہے لیکن وہ جھوٹ کبھی نہیں بولے گا۔ پہلی شہادت ہمیشہ سچی دے گا اور اس کے بعد بھی برابر سچ ہی بولتا جائے گا۔ لیکن جب ماحول کا اثر اس میں یہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ سچ بولنے سے ڈانٹ پڑے گی یا اور کوئی نقصان ہوگا تو وہ اس سے بچنے کے لیے جھوٹ بولنا سیکھ لیتا ہے۔ اس کی

فطرت میں سچائی ہی ہوتی ہے اور یہی فطرت سلیمہ ہے۔ البتہ جب گرد و پیش کے اثرات اس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر خود غرضی پیدا کرتے ہیں تو فطرت سلیمہ اس کی فطرت سقیمہ کے نیچے دب جاتی ہے۔ پھر جہاں وہ اپنے فائدے دیکھتا ہے وہاں سچ بولتا ہے۔ اور جھوٹ میں فائدہ نظر آتا ہے تو جھوٹ بول لیتا ہے۔

ایک مشکل سوال

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بچہ دوسرے کی چیز پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور یہ کسی ماحول کے اثر کے بغیر از خود فطرۃً ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ سجی ہوئی مرتب چیزوں کو بکھیر کر بے ترتیب کر دیتا ہے۔ قابل حفاظت چیزوں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے۔ غلاظت سے کھیلتا ہے۔ آگ اور گرم پانی میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے۔ جہاں چاہتا ہے بول و براز کر دیتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ فطرت ہے۔ اور اگر فطرت ہے تو کیا یہ سلیمہ ہے؟ اور کیا یہ دین فطرت کی بنیاد ہے؟

حل

اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ فطرتیں دو ہیں سلیمہ اور سقیمہ۔ یہ دونوں عین فطرت ہیں لیکن سلامت و سقم کا فیصلہ صرف غلطی یا بے اعتدالی کو عمل میں لانے سے ہوتا ہے۔ نیز خود فطرت بھی اس کا فیصلہ کرتی ہے اور عقل و شعور بھی اس کا تعین کرتا ہے۔ بچہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اس کی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ صرف محل استعمال غلط ہوتا ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ اس میں عقل کی کمی ہوتی ہے۔ وہی بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو اپنی ان ہی پرانی باتوں پر ہنستا ہے اور جب دوسرا بچہ ویسی ہی حرکتیں کرتا ہے تو یہی بڑا اسے روکتا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ جس طرح بچے کی نادانی کی حرکتیں فطرت ہیں اسی طرح اس کے بڑے ہونے کے بعد اس سے باز رہنا بھی فطرت ہے۔ فطرت دونوں ہی ہیں۔ ایک بدلنے والی اور دوسری قائم رہنے والی۔ اس کی مثال ہم اوپر دے چکے ہیں کہ بکری کے بچے کا دودھ پینا بھی فطرت

ہے مگر بدلنے والی اور عارضی۔ اور دودھ چھوڑ کر گھاس پر لگ جانا بھی فطرت ہے مگر قائم رہنے والی۔ بچے کی نادانی کی حرکات عین فطرت ہیں مگر بے عقلی و بے علمی کے ساتھ اور اس کا بڑا ہو کر ان حرکات سے باز رہنا بھی عین فطرت ہے مگر عقل کے اضافے کے ساتھ۔ پہلی فطرت کو ہم فطرت سقیمہ کہتے اور دوسری کو فطرت سلیمہ یعنی اسلام۔

ایک اور ضروری نقطۂ نظر

فطرت اور فطرت کے مظاہر کا فرق بھی ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ بیج پھوٹ کر پہلے سوئی نکالتا ہے۔ پھر شگوفہ پھوٹتا ہے پھر وہ پودا بن جاتا ہے۔ پھر تدریجاً شجر بار آور ہو جاتا ہے۔ ان تمام تدریجی مراحل میں سے کسی ایک مرحلے کو متعین کر کے اسے فطرتِ تخم قرار دینے کی بجائے تمام مراحل کے مجموعے کو فطرت قرار دینا زیادہ صحیح ہے۔ اس کی اصل فطرت ہے "نمو" اور اس کے مظاہر ہیں سوئی، شگوفہ، تنہ، شاخیں، پھول اور برگ و بار وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک شے صرف جز ہے اس بیج کی کلی فطرت کا۔ شگوفے اور درخت کی شکل وغیرہ میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ (ابتدائی مرحلے پر کدو اور املی دونوں کے شگوفے ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں لیکن آگے چل کر ایک بیل بنتی ہے اور دوسرا شجر)۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ابتدائی شگوفے اور آخری مرحلے کے فرق کی طرح دونوں مرحلوں کی فطرت کی نوعیت بھی جداگانہ ہے۔ لیکن دراصل یہ دو متضاد فطرتیں نہیں بلکہ ایک ہی فطرت ——— "نمو" ——— کے مختلف مظاہر ہیں۔ ٹھیک اسی طرح بچے کی ابتدائی حرکات سے لیکر پختہ عمری تک فطرت ایک ہی ہوتی ہے۔ مظاہر البتہ جداگانہ ہوتے ہیں۔

بچپنے میں جو فطرت ہوتی ہے وہی آخر تک جاتی ہے۔ صرف اشکال بدلتی رہتی ہیں۔ ہم بچے کی نادانی کی حرکات دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر اسلام دین فطرت ہے تو ان نادانیوں کو دین فطرت کا جز کیسے تسلیم کیا جائے؟ یہ تردد اس لیے ہے کہ ہماری نگاہ انسان کی کل فطرت پر نہیں پڑتی۔ بلکہ اس کے کسی ایک جز پر جاتی ہے۔ ایک سلیم المذاق انسان کسی دوسرے انسان سے کوئی محبت یا دلچسپی نہیں لے سکتا اگر اس کی نظر صرف اس کے "بول و براز" پر ہو۔ اگر وہ انسان کی حرکات اور بناوٹ پر غور کرے اور نگاہ صرف بول و براز

پر ہو تو وہ صنعتِ الٰہی پر ہنسے گا اور اس سے متنفر ہو گا۔ پودے کی ابتدائی کمزور اور حالتِ بے ثمری کو دیکھ کر اس کے بے معنی ہونے کا گمان ہو سکتا ہے کیونکہ اس وقت نظر اس کی کلی فطرت پر نہیں ہوتی، صرف ایک جز پر ہوتی ہے ـــــ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ قابلِ حفاظت چیزوں کو بے تکلف توڑ پھوڑ دیتا یا ترتیب اشیاء کو بے ترتیبی میں بدل دیتا ہے اس لیے اس فطرت کو دیکھتے ہوئے اسلام کو دینِ فطرت کہنے میں حجاب سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ نگاہ انسان کی فطرتِ کلی کے محض ایک جز پر ہوتی ہے ـــــ بچے کی توڑ پھوڑ کی حرکت دراصل ایک کلی فطرت کا جز ہے۔ جو آخر عمر تک قائم رہتی ہے۔ اسے آپ نادانی کی حرکت نہ کہیے بلکہ "شکست و ریخت" کا ایک فطری قانون کہیے۔ کیا یہی قانون انسان کی ساری زندگی میں کارفرما نہیں ہوتا؟ اور کیا اسلام اسی حرکی اصول کا دوسرا نام نہیں؟ فرق صرف اسی قدر ہے کہ بچے کی حرکتیں ایک ابتدائی اسٹیج پر ہوتی ہیں اور نادانی و بے علمی سے ممزوج ہوتی ہیں۔ یہی فطرت ہے جس پر آگے چل کر عظیم الشان کارناموں کی بنیاد پڑتی ہے۔ اسلام اسی شکست و ریخت کی سقیمیت کو سیمیت میں تبدیل کر دیتا ہے ـــــ عشق پیچاں (لبلاب) کی فطرت میں نمو کے ساتھ "لپٹ" کی فطرت ہے۔ انسان کی عقل صرف یہ کام کرتی ہے کہ اس کے نمو کی سمت کو بدل کر اپنے غرض (ٹٹی) پر چڑھا لیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح بچپن کی جو حرکات نادانی کی وجہ سے بے محل دکھائی دیتی ہیں وہ علم یا عقل آنے کے بعد صحیح راستے پر لگ جاتی ہیں اور اسی کی راہنمائی وحی کرتی ہے۔

بچے کی دوسری حرکات کو بھی اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھیے۔ اگر وہ نادانی سے گرم پانی میں ہاتھ ڈال دیتا ہے تو اس کی عین فطرت ہے لیکن یہ اس کی کلی فطرت نہیں بلکہ اس کی فطرت کا ایک جزئی منظر ہے۔ فطرت صرف "تجربہ کرنا" ہے جس کے لیے وہ اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال دیتا ہے مگر ذرا بے عقلی کے ساتھ۔ جب اسے عقل آجاتی ہے تو یہی "فطرتِ تجربہ" عقل کی راہنمائی میں بہت سے خطرے لیتی رہتی ہے۔ بچہ اگر حاجتِ بول و براز محسوس ہوتے ہی رفع حاجت کر لیتا ہے تو بے موقع رفع حاجت کرنا اس کی اصل فطرت نہیں بلکہ بدنی تقاضوں کو جلد پورا کرنا اس کی فطرت ہے جس سے

انسان کسی وقت الگ نہیں رہتا۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں موقع شناسی کی عقل نہیں ہوتی اور بعد میں یہی فطرت عقل و حکمت کے تقاضوں کے ساتھ پوری کی جاتی ہے۔ یہ فرض کر لینا صحیح نہیں کہ صرف بچپنے ہی کی فطرت فطرت ہے۔ جوانی یا بڑھاپے کی فطرت فطرت نہیں۔ یا محض بے عقلی کی فطرت، فطرت ہے۔ عقلی فطرت، فطرت نہیں۔ فطرتیں سب ہیں صرف موقع و محل اسے سقیم یا سلیم بنا دیتا ہے۔

اس لحاظ سے آیت فاقم وجہک للدین حنیفا ط فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیہا ط لا تبدیل لخلق اللّٰہ ط ذلک الدین القیم الخ کے معنی یہ ہوں گے کہ۔۔۔۔۔ اتباع ہوئی (فطرت سقیمہ جس کا ذکر اوپر کی متصل آیت میں ہے) کی پیروی چھوڑ کر الدین کی طرف اپنی توجہ یکسو ہو کر لو یعنی اللّٰہ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اس فطرت سے صحیح کام لو۔ (اگر اسے مٹانا چاہو تو یہ غلط ہو گا کیونکہ) خدا کے قانونِ خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ دین قیم کا منشا بھی یہی ہے لیکن اکثر لوگ اسے سمجھتے نہیں۔

دیگر راہ ہائے عمل

انسان کے فطری جذبات کے متعلق تین ہی نظریے ہو سکتے ہیں:

۱: اسے ختم کر دیا جائے

۲: اسے آزاد چھوڑ دیا جائے

۳: اسے باقی رکھ کر کچھ حدود کا پابند کر دیا جائے

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ انسان میں جنسی میلان فطرۃً موجود ہے۔ اسے ایک گروہ یعنی سادھو، مجردین رہبان (Nunns & Monks) وغیرہ ختم کرنا عبادت سمجھتے ہیں۔ بعض آزاد قومیں اسے آزاد اور بے لگام چھوڑ دینا ضروری سمجھتی ہیں۔ مگر اسلام اس لحاظ سے دینِ فطرت ہے کہ اس فطری میلان کو نہ مٹاتا ہے نہ بے لگام چھوڑتا ہے۔ بلکہ اس کو باقی رکھتے ہوئے کچھ حدود و قیود عائد کرتا ہے۔ اس کے کچھ صحیح محل متعین کرتا ہے اور اس کے استعمال کے لیے ایک توازن و تناسب قائم کرتا ہے۔ اسی کو ہم صحیح مصرف اور معتدل راہِ عمل کہتے ہیں۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مصرفِ صحیح اور اعتدال بھی انسانی فطرت میں داخل ہے اور ہر روز ہر کام میں اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ البتہ زندگی کے بہت سے مسائل میں اپنی ذاتی دنیا

سے باہر انسان فطرتِ سقیمہ سے مغلوب ہوجاتا ہے جسے اسلام ایک فطری ہی قانون کے ذریعے فطرتِ سلیمہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ایک ضروری نقطۂ نگاہ

ایک بچے کی فطرت جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ شباب میں کچھ مختلف ہوجاتی ہے اور بڑھاپے میں کسی قدر دوسری۔ پھر اسی ایک انسان کی فطرت جو اپنے بارے میں ہوتی ہے وہ اپنے بال بچوں کے حق میں کسی حد تک بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر عام برادری میں وہ اور رنگ اختیار کرلیتی ہے۔ پھر اپنے گاؤں کے حق میں اس کا انداز اور ہوتا ہے۔ پھر قومی فطرت کچھ دوسرا ہی تیرہ اختیار کرلیتی ہے۔ غرض عالمِ طفلی و شباب و شیخوخت کی جو فطرتیں ہوتی ہیں اسی طرح تأہل کی فطرت، برادری کی فطرت، گاؤں اور شہر کی فطرت، قومی فطرت، غرض تمام فطرتیں جدا جدا انداز کی ہوتی ہیں۔ پھر مختلف اقوام کی قومی فطرتوں میں باہم فرق ہوتا ہے۔ یہ سب کی سب انسانی فطرتیں ہیں۔ اور اس پر مزید یہ کہ مختلف ادوار میں بھی فطرتوں میں تفاوت ہوتا ہے ——— اب دیکھیے اگر نوعِ انسانی کے لیے کوئی جامع و اجتماعی اصولِ زندگی بنانے کے لیے تمام انسانوں کو اور تمام ادوار کی فطرتوں کو جمع کرکے ایک اوسط اور نقطۂ اعتدال نکالیں تو وہ مختلف فطرتوں کا اوسط بھی عین فطرت ہی ہوگا اور ہرگز فطرت سے باہر نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ وہ کسی نہ کسی کو اپنی فطرت کے خلاف بھی معلوم ہوگا بس یہی ہے وہ نقطہ جو یہ سوچتے وقت کہ اسلام دینِ فطرت ہے یا نہیں، نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ ہم ایک طرف کسی اسلامی حکم کو دیکھتے ہیں اور دوسری جانب کسی بچے (یا جنگلی انسان) کی فطرت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں دونوں میں تناقض سا معلوم ہوتا ہے لہذا ہم یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یا تو یہ حرکت اس بچے کی فطرت نہیں ہے یا پھر اسلام دینِ فطرت نہیں۔ گویا ایک تناقض کو تو ہم نے دیکھ لیا (حالانکہ یہ بھی تناقض نہیں بلکہ مدارج کا ابتدائی نقطہ ہے جیسا کہ اوپر واضح کیا جاچکا ہے) اور اس پہلو کو نہ دیکھا کہ تمام عالم، تمام انسانوں اور تمام ادوار کی کن کن فطرتوں کو کتنی وسعت کے ساتھ یہ حکم احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ان تمام متحدہ فطرتوں پر بھی ہماری نظر ہو تو اسلام

عین "دین فطرت" نظر آئے گا۔

حرفِ آخر

صرف اسی قدر نہیں بلکہ اگر عالم انسانی سے باہر قدم رکھ کر پوری کائنات کی فطرت پر نظر رہے تو ایسا معلوم ہوگا کہ اسلام صرف انسانی فطرت سے ہی ہم آہنگ نہیں بلکہ پوری کائنات کے قوانین فطرت سے بھی ہم آہنگ ہے۔

عقل کی فطرت

جس طرح کائنات میں ہر ایک شے کی ایک فطرت ہے (خواہ وقتی ہو یا تدریجی یا مستقل اور آخری) اسی طرح عقل کی بھی ایک خاص فطرت ہے۔ ہر ایک فرد کی عقل کی بھی اور "نفس عقل" کی بھی طفلی کی عقل کی فطرت اور ہوتی ہے اور جوانی کی عقل کی فطرت اور، بڑھاپے کی عقل کی فطرت اور۔ اسی طرح دیہاتی، شہری، جاہل، عالم، مذہبی، دیندار، پاکستانی اور عربی، فلسفی اور مورخ وغیرہ کی عقلوں کی فطرت میں بھی تفاوت و مدارج ہیں۔ ان سب کی عقلوں کو ملا کر ایک کر لیا جائے تو وہ بھی عقل ہی ہوگی اور اس کا بھی کوئی مزاج اور کوئی فطرت ضرور ہوگی۔

عقل کی فطرت ہے ارتقا اور نئی دریافت۔ مجہول کو معلوم کر لینا اور کسی آخری نتیجے پر ٹھیک ٹھیک پہنچ کر دم لینا۔ قرآن کریم میں جو احکام (اوامر و نواہی) ہیں وہ سب عین فطرت کے مطابق ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سورج یا سیاروں کی فطرت یا کسی خاص شخص یا قوم کی فطرت کے مطابق ہیں بلکہ یہاں دین فطرت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ "فطرتِ عقل" کے مطابق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ انسانی عقل گر پڑ کر آخر اسی نتیجے پر پہنچے گی جس نتیجے پر وحی پہلے پہنچ چکی ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بچے کی عقل گر پڑ کر آخرکار اسی نتیجے پر پہنچ جاتی ہے جس پر اس کے تجربہ کار بوڑھے باپ کی عقل پہنچ چکی ہے۔ جس طرح اس انفرادی مثال میں اس بچے کی فطرتِ عقلی اس عاقل باپ کے فیصلے کے سوا اور کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کرتی اسی طرح عقل کی فطرت اپنی انتہائی ترقی یافتہ شکل میں بہرحال اسی نتیجے پر پہنچ جاتی ہے جہاں دین فطرت پہنچانا چاہتا ہے۔ پس دین فطرت کے

معنی ہیں ارتقا یافتہ عقل کی فطرت۔ اس کی کسوٹی پر آپ کو تمام احکام اسلام عین دین فطرت نظر آئیں گے۔ اس لحاظ سے کہ اسلام فطرت سقیمہ کو فطرت سلیمہ میں بدل دیتا ہے۔ نکاح و طلاق، جنگ و صلح، وراثت، تعزیرات، بیع و شرا، رخصت و عزیمت، (بشرطیکہ ہر ایک کے مجموعی احکام دیکھے جائیں)، پھر تمام اخلاقی اقدار وغیرہ کے تمام احکام کو اسی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھنا چاہیے۔

یوں ہی تمام عبادات کے بارے میں سارے احکام عین عقل کے مطابق ہیں لہذا دین فطرت ہیں جو جذبۂ عبودیت کو متوازن رکھتے ہیں۔

عاقل کامل کی ایسی باتوں کو ماننا (جو اگرچہ ہمارے تجربے یا ذرائع علم سے باہر ہوں لیکن وہ انہیں پورے حزم و یقین سے بار بار کہتا ہو) بھی عین فطرت عقل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان بالغیب یا عقائد بھی عین عقلی فطرت ہے اس لیے یہ حصۂ دین بھی عین دین فطرت ہے۔

غرض پورا قرآن عین مطابق فطرت ہے۔ نکتے کی بات صرف اسی قدر ہے کہ کہیں فطرت سلیمہ ہے، کہیں فطرت طبیعی، کہیں فطرت عقلی اور کہیں فطرت اخلاقی ——— اگر انسانی طبائع کہیں اسلام (یا قرآنی احکام) سے گریز کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ اسلام خلاف فطرت ہے، بلکہ گریز کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ جو باتیں فطرت سلیمہ کے مطابق ہوتی ہیں ان سے فطرت سقیمہ کو ابا و انکار ہونا بھی فطرت سقیمہ کی عادت و فطرت ہے۔ جہاں بات عقلی فطرت کے مطابق ہوتی ہے وہاں کمزور عقل کا گریز کرنا بھی عقل ضعیف کی فطرت ہے۔ جہاں کوئی قانون کلی فطرت کے مطابق ہوتا ہے وہاں جزئی فطرت پر نگاہ رکھنے والے کو اختلاف ہونا بھی اس کی کم نگہی کی فطرت ہے۔ جہاں حکم تمام فطری اقدار کی قدر مشترک اور اوسطی فطرت کے مطابق ہو وہاں بعض انفرادی فطرت کے ٹکراؤ سے کسی فرد کا راہ فرار اختیار کرنا بھی انفرادی فطرت کا تقاضا ہے۔ ان تمام اقسام گریز و فرار کی وجہ سے قرآن کی کسی بیان کردہ حقیقت کے متعلق یہ سمجھ لینا صحیح نہیں کہ یہ بات فطرت کے مطابق نہیں۔

قرآنی دعوت

یہی وہ فطرت ہے جس کی قرآن دعوت دیتا ہے۔ ایک طرف وہ آیت یعنی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الخ رکھیے اور دوسری طرف یہ آیت رکھیے افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وکرہاً والیہ یرجعون تو صاف نظر آسے گا کہ جس دین کی طرف قرآن بلاتا ہے وہ عین دین فطرت ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ "کیا یہ لوگ دین اللہ کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ پوری کائنات ارض وسموات سب مسلم ہیں۔ اور اس کے آگے جھکے ہوئے ہیں چاروناچار اور یہ سب کے سب اسی کی طرف بڑھے جا رہے ہیں ——— آیت کا منشا اس کے سوا اور کیا ہے کہ جس طرح پوری کائنات کا خدا کے آگے سرنگوں ہونا عین فطرت ہے اسی طرح دین اللہ بھی عین فطرت ہے۔ فرق صرف تکوین و اختیار کا ہے۔ پوری کائنات کا کونی دین اسلام ہے ولہ اسلم من فی السموات والارض الخ اور جو اختیاری دین تمہیں ابتدا سے دیا گیا ہے وہ بھی اسلام ہی ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اُس فطرت میں صرف تکوین ہے اور یہاں وہ فطرت ہے جو تمام فطرتوں کی قدر مشترک بھی ہے، عقل و شعور کی فطرت بھی ہے۔ فطرت سلیمہ کی اخلاقی فطرت بھی ہے۔

پس جب قرآن ایک طرف ساری کائنات کی فطرت کو عین اسلام بتاتا ہے اور اسی اسلام کی دعوت انسانوں کو دیتا ہے تو یہ کہنا قرآنی نقطۂ نگاہ سے غلط نہیں کہ اسلام عین دین فطرت ہے۔

قرآن اور فطرت کے مناظر و مظاہر

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے صرف چند احکام دینے پر قناعت نہیں کی بلکہ قدم قدم پر انسانوں کی توجہ کائنات فطرت اور فطرت کائنات کی طرف پھیری ہے۔ چند ایک مثالیں اس کی بھی سن لیجیے۔ اس کے بعد ہم قرآن پاک کے وہ حصے بھی پیش کریں گے جو خاص خاص نقطہائے نگاہ سے فطرت کے عین مطابق ہیں:

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریح

والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون ۲ : ۱۶۴

ترجمہ: بلاشبہ عقل رکھنے والوں کے لیے (وحدت الٰہ کی) نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور دن اور رات کے ادل بدل میں اور ان کشتیوں میں جو انسانوں کے فائدے کی چیزیں لے کر چلتی ہیں، اور اس مینہ میں جسے اللہ اوپر سے برسا کر مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیتا ہے اور ہواؤں کی الٹ پھیر میں اور اس بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں۔

تولج اللیل فی النہار وتولج النہار فی اللیل و تخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی

تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں سما دیتا ہے اور زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے۔

ویتفکرون فی خلق السموات والارض ج ربنا ماخلقت ہذا باطلا ۳ : ۱۹۱

عقل والے . . . آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں کہ مولا تو نے یہ بے حقیقت چیزیں نہیں بنائی ہیں۔

. . . خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیرا ونساءً ۴ : ۱

. . . تمہیں ایک ہی جوہر سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑا بنایا اور پھر دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے۔

. . . خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور ۶ : ۱

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکی و روشنی بنائی۔

وما من دابۃ فی الارض ولا طٰئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ۶ : ۳۸

تمام ذی روح زمین میں اور پرندے جو اپنے بازوؤں کے بل اڑتے ہیں تمہاری ہی طرح امتیں ہیں۔

ان اللہ فالق الحب والنوی ط یخرج الحی من المیت و مخرج المیت من الحی ط . . . .

فالق الاصباح ج وجعل الّیل سکنا والشمس والقمر حسبانا ط ... وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمٰت البر والبحر ط ... وھو الذی انشأکم من نفس واحدۃ فمستقر ومستودع ط ... وھو الذی انزل من السماء ماء ج فاخرجنا بہ نبات کل شیء فاخرجنا منہ خضرا نخرج منہ حبا متراکبا ج ومن النخل من طلعھا قنوان دانیۃ وجنٰت من اعناب والزیتون والرمان مشتبھا وغیر متشابہ ..۶: ۹۵ تا ۹۹

ترجمہ: اللہ ہی ہے دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا۔ مردے سے زندہ کو اور زندہ سے مردے کو نکالنے والا ... صبح کی پَو کا پھاڑنے والا۔ اس نے رات کو ذریعۂ سکون اور آفتاب و ماہتاب کو ذریعۂ حساب بنایا ... اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو اس لیے بنایا کہ تم خشکی و تری کی تاریکیوں میں راہ پا سکو ... اور وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک ہی جوہر سے پیدا کیا ... اور وہی تو ہے جس نے اوپر سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اسی کے ذریعے ہر چیز کے نباتی جوہر کو اگایا پھر اسی میں سے وہ سبزے نکالے جن میں سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجوریں خوشے ہیں جھکے ہوئے اور انگور، زیتون اور انار کے ایسے باغ ہیں جو باہم ایک جیسے بھی ہیں اور مختلف بھی۔

وھو الذی انشأ جنٰت معروشٰت وغیر معروشٰت ... ومن الانعام حمولۃ وفرشا ۶: ۱۴۱، ۱۴۲

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے ٹٹیوں پر چڑھے ہوئے اور بے ٹٹی کے باغ لگائے .... اور چوپایوں میں بوجھ لادنے والے بھی بنائے اور ان کی ضد بھی۔

وھو الذی یرسل الریٰح بشرا بین یدی رحمتہ ط حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنٰہ لبلد میت ۷: ۵۷

ترجمہ: اور وہی تو ہے جو اپنے بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے تا آنکہ وہ بوجھل بدلیوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم انہیں مردہ زمینوں کی طرف ہانک دیتے ہیں۔

ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ط ۱۰: ۵

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے آفتاب کو روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے اور اس کی منزلیں مقرر کر دی ہیں تاکہ تم سالوں کا حساب کتاب کر سکو۔

ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصرا ط ۱۰: ۶۷

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات کو اس لیے بنایا کہ تم سکون حاصل کر سکو اور دن کو روشن بنا دیا ہے۔

وہو الذی مد الارض وجعل فیہا رواسی و انھراً ط ومن کل الثمرات جعل فیہا زوجین اثنین یغشی الیل النہار۔۔۔۔ وفی الارض قطع متجورات وجنت من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد ونفضل بعضہا علی بعض فی الاکل ۱۳: ۴

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیے اور نہریں جاری کر دیں۔ اور تمام پھلوں میں سے اس نے دو دو کے جوڑے بنائے۔ شب کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے۔۔۔۔ اور زمین میں پاس پاس مختلف ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتی ہے اور توام اور غیر توام تنے والے درخت خرما جو ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور مزید برآں ہم ایک کے مزے کو دوسرے کے مزے سے بڑھا دیتے ہیں۔

ہو الذی یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینشیٔ السحاب الثقال ہ ویسبح الرعد بحمدہ والملئکۃ من خیفتہ ویرسل الصواعق فیصیب بہا من یشاء۔ ۱۳: ۱۲

ترجمہ: وہی تو ہے جو تمہیں بجلی کو خوف اور امید بنا کر دکھاتا ہے اور بوجھل بادلوں کو اٹھائے دیتا ہے۔ کڑک اور فرشتے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ جس پر چاہتا ہے بجلیوں کو بھیج کر اس پر گرا دیتا ہے۔

انزل من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیل زبداً رابیاً ط ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیۃ او متاع زبد مثلہ ۱۳: ۱۷

ترجمہ: وہی بلندی سے پانی برساتا ہے اور نالے اپنے اندازے سے بہہ نکلتے ہیں اور سیلاب بڑھتی ہوئی جھاگ کو اٹھائے پھرتا ہے۔ اور جس چیز کو آگ میں ڈال کر زیور یا دوسری چیزوں کے لیے تپاتے ہیں اس میں بھی ویسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔

خلق الانسان من نطفۃ فاذا ہو خصیم مبین ہ والانعام خلقہا لکم فیہا دفء ومنافع ومنہا تاکلون ہ ولکم

فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون ہ ..... والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینتہ ط ..... وسخر لکم الیل والنھار والشمس والقمر ط والنجوم مسخرات بامرہ ..... وما ذرالکم فی الارض مختلفا الوانہ .... وھوالذی سخرالبحر لتاکلوامنہ لحما طریا وتستخرجوا منہ حلیتہ تلبسونھا ط وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ ..... والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم وانھرا وسبلا .... ۱۶: ۱۴ تا ۱۵

ترجمہ: اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو اور آفتاب و ماہتاب کو مسخر کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں .... اور اس نے زمین میں تمہارے لیے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اس کے رنگ مختلف ہیں ... اور وہی تو ہے جس نے دریا کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس میں سے تازہ مچھلیاں کھاؤ اور وہ زیور نکالو جو تم استعمال کرتے ہو۔ اور تم جہازوں کو بھی دیکھتے ہو کہ اس میں پانی کو چیرتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ تم اپنی روزی تلاش کرو ..... اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے ہیں تاکہ زمین تمہیں لے کر ایک طرف کو جھک نہ جائے اور اس نے نہریں اور راستے بھی بنا دیے ہیں۔

وان لکم فی الانعام لعبرۃ ط نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشربین ہ و من ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا .... واوحی الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ہ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا ط یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس ..... ۱۶: ۶۶ تا ۶۹

ترجمہ: اور تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔ ہم اس کے اندر کے گوبر اور خون کے درمیان میں سے تمہیں خالص و خوشگوار دودھ پلاتے ہیں اور نیز کھجور اور انگور کے پھلوں سے نشہ بھی تیار کرتے ہو اور اچھی روزی بھی .... اور اس نے مگس شہد کو وحی کر دی ہے کہ پہاڑوں میں، درختوں میں، اور مکانوں میں چھتے تیار کر پھر تمام پھلوں کا رس چوس کر اپنے رب کی بتائی ہوئی راہ پر انقیاد کے ساتھ لگی رہ۔ اس کے اندر سے ایسا شربت نکلتا ہے جو مختلف رنگ کا ہوتا ہے اس میں لوگوں کے لیے شفا بھی ہے ....

الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ط ما یمسکھن الا اللہ ..... واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا و

جعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونہا یوم ظعنکم و یوم اقامتکم و من اصوافہا و اوبارہا و اشعارہا اثاثا و متاعا الی حین ○ واللہ جعل لکم مما خلق ظلالا و جعل لکم من الجبال اکنانا و جعل لکم من سرابیل تقیکم الحر و سرابیل تقیکم من بأسکم . . . . ۱۶: ۷۹ تا ۸۱

ترجمہ: کیا لوگ پرندوں کی طرف نہیں دیکھتے جو آسمانی فضا میں مسخر ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ کے سوا کوئی روکنے والا نہیں . . . . اور اللہ نے تمہارے لیے گھروں میں جائے سکونت و سکون بنائی اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے بھی گھر بنائے جن کو تم سفر و حضر میں بہت ہلکا پاتے ہو اور ان کے صوف رویوں اور بالوں سے مختلف ساز و سامان ایک وقت معین تک کے لیے بناتے ہو۔ اور اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں کے سائے بھی تمہارے لیے بنا دیے ہیں اور پہاڑوں میں کمین گاہیں بھی بنادی ہیں۔ اور تمہارے لیے ایسے لباس بھی بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسے لباس بھی جو تمہیں لڑائی میں محفوظ رکھیں۔

ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ○ ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ○ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظم لحما ثم انشانٰہ خلقا آخر . . . ۲۳: ۱۲ تا ۱۴

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو ابتدائے خلاصۂ گِل سے پیدا کیا۔ پھر اسے ٹھہراؤ کی جگہ میں نطفہ بنایا۔ پھر نطفے کو جونک اور جونک کو لوتھڑا اور لوتھڑے کو ہڈی دار بنا کر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر اسے دوسری بناوٹ میں لے آئے . . . . .

الم تر الی ربک کیف مد الظل ج و لو شاء اللہ لجعلہ ساکنا ج ثم جعلنا الشمس علیہ دلیلا ○ ثم قبضنٰہ الینا قبضا یسیرا ○ ۲۵: ۴۵، ۴۶

ترجمہ: کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح گھٹاتا بڑھاتا ہے اگر وہ چاہے تو اسے جامد بنا دے۔ پھر ہم اس پر سورج کو سبب بناتے ہیں پھر اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔

تبرک الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیہا سراجا و قمرا منیرا ۲۵: ۶۱

ترجمہ: بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں بروج بنائے اور ان میں سورج اور روشن چاند بنائے۔

ومن ایتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ○ ومن ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃً ورحمۃ ..... ومن ایتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم و الوانکم ..... ومن ایتہ منامکم بالیل والنہار وابتغاؤکم من فضلہ ..... ومن ایتہ یریکم البرق خوفاً وطمعا ..... ومن ایتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ۳۰ : ۲۰ تا ۲۴

ترجمہ: اس کی آیات میں یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم بشر بن کر دوڑتے پھرتے ہو۔ اس کی آیات میں یہ بھی ہے کہ تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان اس نے باہمی محبت وشفقت رکھ دی ...... اور اس کی آیات میں آسمانوں اور زمین کی بناوٹ اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے ..... اور اس کی آیات میں تمہارا رات اور دن کو سونا اور اللہ کی روزی تلاش کرنا بھی ہے ...... اور اس کی آیات میں یہ بھی ہے کہ تمہیں برق کو خوف اور امید بنا کر دکھاتا ہے ...... اور اس کی آیات میں یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اس کے حکم سے قائم ہیں ....

وما یستوی البحران ہذا عذب فرات سائغ شرابہ وہذا ملح اجاج ۱۲:۲۵

ترجمہ: دونوں دریا برابر نہیں ہو سکتے جب کہ یہ نہایت شیریں اور آسانی سے پیا جانے والا ہو اور یہ نہایت نمکین کڑوا ہو۔

الم تر ان اللہ انزل من السماء ماءً ج فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا ط ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود ○ ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذلک .... ۳۵ : ۲۷، ۲۸

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اوپر سے پانی برساتا ہے، پھر ہم اس کے ذریعے سے مختلف رنگ کے پھل نکالتے ہیں۔ اور پہاڑوں میں دھاریاں (راستے) ہیں سفید بھی اور سرخ بھی جن کے رنگ مختلف ہیں اور نہایت سیاہ بھی ہیں۔ اور انسانوں، حیوانوں، چارپایوں میں بھی اسی طرح کے مختلف رنگ ہیں۔

ان آیات کا مقصد

یقین کیجیے کہ ہم نے جتنی آیات درج کی ہیں اس سے چارگنی زیادہ آیات قرآنیہ اور بھی موجود ہیں جن

کو بخوفِ طوالت ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ان تمام آیات کو دیکھیے ان میں نماز روزے اور حج و زکوٰۃ کے احکام نہیں۔ طلاق و نکاح اور عدت وایلا کے مسائل نہیں، سیاست و معیشت یا اخلاق و معاش کے عقدوں کا حل نہیں، اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی تفصیلات نہیں۔ بہ ظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات سے ہماری زندگی کے مسائل کا کوئی تعلق نہیں۔ ان میں زمین و آسمان کی بناوٹ، دن اور رات کا اختلاف، کشتیوں کا تیرنا، پانی کا برسنا، نباتات اور دوسرے ذوی الارواح کا پیدا ہونا، ہواؤں کا چلنا، ابر کی تسخیر، روشنی و تاریکی، پرندوں کا اڑنا، دانوں اور گٹھلیوں کا پھوٹنا، صبح کی پَو کا پھٹنا، سورج، چاند اور ستاروں کا مصرف، کھجور، انگور اور انار اور دوسرے پھلوں کا بیان، باغوں اور کھیتوں کی اقسام، چوپایوں کی قسمیں، دریا، پہاڑ، برق، رعد، ندی، نالے، جھاگ، اونٹ، گھوڑے، خچر، حمار، مچھلی، زیور، گوبر، خون، دودھ، شہد اور شہد کی مکھی کی کارگزاریاں، کھال، بال، سائے، نطفہ، علقہ، مضغہ، ہڈی، نر و مادہ، زبان اور رنگ کا اختلاف، نیند، تلاش، فضل، میٹھے اور شور دریا، پہاڑ، انسانوں اور دوسرے حیوانات کے رنگ وغیرہ وغیرہ ...... غرض یہی چیزیں، ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ اور ہر ایک کے بیان میں دعوت دی گئی ہے تذکّر و تفکر کی، تعقل و تفقہ کی اور ہر جگہ استدلال کیا ہے وحدت الٰہ اور ربّانی صنعت و قدرت پر۔ بعض جگہ ایسی باریک اور چھوٹی باتوں کو بیان کیا گیا ہے کہ انسان کا ادھر خیال بھی نہیں جاتا۔ انسان کی آفرینش کا ذکر کیا ہے تو ابتدائی جوہر حیات (امیبا) سے لے کر موت تک کے تمام مدارج کو بیان کیا ہے، پہاڑوں کا ذکر کیا ہے تو ان کے رنگ بھی بتائے ہیں۔ حیوانات کا ذکر ہے تو ان کی چال، ان کے رنگ، ان کے مصرف، ان کی غذا اور ان کی دوسری فطرتیں بھی بتادی ہیں۔ پھر شروع سے آخر تک پورے قرآن میں ان ہی جیسی باتوں کی بار بار مختلف انداز سے اور مختلف مقاصد کے تحت تکرار بھی ہے۔ ذرا سوچیے کہ ان مناظر قدرت اور ان مظاہر فطرت کو بیان کرکے بار بار ادھر توجہ دلانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ قصص میں بھی ان ہی چیزوں کا ذکر، احکام و مسائل اور اوامر و نواہی کے بیچ بیچ میں بھی ان ہی کا بیان، مواعظ و نصائح، اقسام و امثال کے دوران میں بھی ان

ہی کا بیان۔ آخر کوئی اہم غرض تو اس سے وابستہ ہوگی؟ آخر کون سا اہم مقصد ہے جو قرآن مکھی، مچھر، مکڑی تک کا ذکر کرتا ہے۔ ہم نے صرف چند آیات دی ہیں ورنہ ان کے علاوہ ابھی بہت سی آیات اور بھی ہیں جن کو اگر ملا لیا جائے تو ان کا مجموعہ مسائل و احکام کے مجموعے سے کہیں زیادہ ہو جائے گا۔

ان تمام مظاہر قدرت اور مناظر فطرت کو ذکر کرنے سے جہاں اور مقاصد ہیں وہاں ایک غرض یہ بھی ہے کہ اسلام چونکہ عین دین فطرت ہے اور وہ انسان کو فطرت ہی سے ہم آہنگ کرنا چاہتا ہے اس لیے اس کے سامنے بار بار فطرت ہی کے مظاہر و مناظر کو پیش کرتا ہے۔ وہ "ولہ اسلموا" فرما کر اسلام کی دعوت دیتا ہے تو ساتھ ہی پوری کائنات کے فطری اسلام کو بھی یوں بیان کر دیتا ہے کہ "ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرہا" ساری کائنات کا فطری دین اسلام ہی ہے۔ وہ انسان کو انفع و اصلح بننے کی دعوت دیتا ہے تو کائنات ہی کا ایک فطری دستور بیان فرماتا ہے کہ دیکھو انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرہا فاحتمل السیل زبدا رابیا ط ومما یوقدون علیہ فی النار ابتغاء حلیۃ او متاع زبد مثلہ . . . فاما الزبد فیذہب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ۱۳ : ۱۷ ۔ اس نے اوپر سے پانی نازل فرمایا اور نالے بہنے لگے اپنے اپنے اندازے کے مطابق، اور وہ سیلاب جھاگ یا خس و خاشاک کو لے کر چلا جو اس کے اوپر ہے۔ اور اسی طرح جن چیزوں کو زیور یا دوسرے اسباب بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ یا میل کچیل ہوتا ہے . . . . . پھر جو میل کچیل یا جھاگ ہوتا ہے وہ پھینک دیا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہوتی ہے وہ دنیا میں رہ جاتی ہے۔ یہاں صرف شاعرانہ تمثیل نہیں بیان کی گئی بلکہ ایک حقیقت بتائی گئی ہے کہ فطرت کا جو اصول و قانون دوسری جگہ کارفرما ہے وہی تمہاری زندگی میں اثر انداز ہوگا۔ آگے چل کر ان شاء اللہ ایسے ہی دوسرے نظائر بھی قرآن پاک سے پیش کیے جائیں گے۔

قرآن اور نظم و ترتیب

قرآن کی ساری تعلیم چونکہ عین مطابق فطرت ہے اس لیے خود قرآنی ترتیب و نظم بھی عین فطرت کے مطابق ہے۔ قدرت کے ذوق اور انسانی مذاق میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے چمن

کو دیکھیے اور قدرت کے اگائے ہوئے مرغزار کو دیکھیے۔ صاف فرق نظر آجائے گا۔ آپ کے بنائے ہوئے چمنستان میں زمین مسطح ہو گی۔ روشیں متوازی اور سڈول ہوں گی۔ جیسی روش ایک طرف ہو گی ویسی ہی اس کے مقابل میں دوسری جانب ہو گی۔ جن پھولوں کا تختہ ایک طرف ہو گا ویسا ہی اس کے مقابلے میں ہو گا۔ کہیں دائرہ ہو گا کہیں مربع، کہیں مسدس اور کہیں مثلث، اور سب میں ہمواری و یکسانی کا اصول کارفرما ہو گا ——— لیکن قدرت کے اگائے ہوئے چمن کو کسی مرغزار یا پہاڑی پر دیکھیے۔ ایک ناہموار زمین ہو گی جہاں بے ترتیب پھول کھلے ہوں گے، کوئی مسطح اور متوازی روش نہ ہو گی، کوئی تختہ کسی خاص نوعِ گل کے لیے مخصوص نہ ہو گا۔ وہیں کچھ بے پھول بیلیں بھی ہوں گی اور وہیں خشک جھاڑی بھی۔ یہی خطہ مرغزار در اصل معدن ہوتا ہے اور یہیں کی دولت سے آپ کے ذوق کے چمنستان کی آبادی و رونق ہے۔ قدرت کا ذوقِ چمن ہمارے مذاق چمن سے الگ ذوق کا حامل ہوتا ہے۔

آپ انسانوں کی کھودی ہوئی نہروں اور قدرت کے بہائے ہوئے دریا کو دیکھیں۔ خدائی ذوق اور انسانی ذوق کا فرق نکھر کر سامنے آجائے گا۔ آپ کی نہروں کے عمق میں ہمواری ہو گی، عرض میں توازن ہو گا۔ لیکن قدرت کے دریا میں عجیب پیچ و خم ہوں گے۔ کہیں میلوں کی چوڑائی اور کہیں تنگ عرض۔ کہیں پایاب اور کہیں بانسوں گہرا، کہیں بھنور اور کہیں خشک جزیرہ۔ آپ نے قدرت کے ذوق اور انسانی مذاق کے فرق کو ملاحظہ فرمایا؟

یہی فرق ہوتا ہے قدرت کی دی ہوئی کتاب اور انسان کی تصنیف یا تالیف کی ہوئی کتاب میں بھی۔ کسی فقہ یا حدیث کی کتاب کو لے کر دیکھیے۔ ایک جگہ ایک باب ہو گا جس کے تحت کئی فصلیں ہوں گی اگر جہاد کا بیان ہے تو تمام احکام جہاد ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہوں گے۔ صلوٰۃ کے باب میں زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہو گا۔ باب الحج مسائل وراثت سے خالی ہو گا اور کسی ایک ہی باب یا فصل میں جہاد، وراثت، طلاق، نکاح، ایمان، تقویٰ، قانون جنگ و صلح وغیرہ وغیرہ کے سارے مسائل یکجا نہیں ہوں گے۔ غرض ہر فن کی کتاب میں ایک خاص ترتیب اور اس کا مخصوص نظم ہو گا۔ یہ ہے انسانی ذوق۔ لیکن خدائی ذوق اس سے بالکل الگ ہے۔ وہ طلاق کے بیان سے یکا یک گریز

کر کے صلوٰۃ کا ذکر شروع کر دیتا ہے۔ مسلسل قصہ بیان کرتا ہے اور بیچ میں وعظ و نصیحت شروع کر دیتا ہے۔ کسی ایک جگہ کسی ایک مضمون کے تمام مسائل نہیں بیان کرتا بلکہ پوری کتاب میں جا بجا بکھیر کر بیان کرتا ہے۔ کوئی ایک چیز ایک ہی جگہ مکمل نہیں بتاتا، کوئی قصہ ایک ہی جگہ تمام کا تمام نہیں سناتا۔ اس کے لیے مثالوں کی ضرورت نہیں۔ قرآن کا معمولی طالب العلم بھی قرآن کے اپنے مخصوص نظم و ترتیب سے واقف ہے۔ غرض اس کی آیات پوری کتاب میں اسی طرح بکھری ہوئی ہیں جس طرح ستارے آسمان پر۔ یہ ستارے انسانی ذوق کے مطابق نہیں بہ ظاہر بالکل بے ترتیب بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن وہی صحیح اور فطری ترتیب ہے جو فطرت کی اپنی ترتیب ہے۔ قرآن کریم کے مضامین میں یہی فطری ترتیب موجود ہے اس لیے کہ یہ کلام انسانی نہیں، کلام فطرت ہے اور فطری ہی نظام زندگی کا معلّم ہے۔ کیا ایسی فطری ترتیب رکھنے والی کتاب کے متعلق یہ گمان ہو سکتا ہے کہ یہ کسی ایسے دین کی تعلیم دے گی جو فطرت کے مطابق نہ ہو؟

فطری استدلال کی ایک مثال

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں اسی نقطۂ نظر سے قرآنی انداز استدلال کو بھی دیکھتے چلیں۔ قرآن اپنے منکرین کو دعوتِ مقابلہ اس طرح دیتا ہے:

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ ... اگر تمہیں اس (کے کلام فطرت ہونے) میں شبہ ہے تو اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ۔

... فاتوا بحدیث مثلہ ... ایسا ایک فقرہ ہی بنا کر دکھا دو۔

آخر یہ دعویٰ ایسی زور دار تحدی کے ساتھ قرآن نے کیوں پیش کیا؟ دعویٰ بھی ایسا جو آج تک کسی انسان نے کسی کتاب یا کلام کے متعلق نہیں پیش کیا۔ یہ دعوت و دعویٰ دراصل فطرت ہی کے ایک اصول کی طرف راہنمائی ہے۔ اصول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان نے بنائی ہو قابلِ مقابلہ ہے۔ ویسی ہی اور اس سے بہتر چیز اس کے مقابلے میں بن سکتی ہے۔ لیکن قدرت و فطرت

کی بنائی ہوئی کوئی شے بھی ایسی نہیں جس کی مثل انسانی ہاتھوں سے بن سکے۔ تاج محل جیسا دوسرا تاج محل پھر بن سکتا ہے لیکن درخت کی ایک پتی نہیں بن سکتی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مشینری تیار ہو سکتی ہے لیکن سر کا ایک بال نہیں بن سکتا۔ ایٹم میں شگاف ڈالا جا سکتا ہے لیکن ایک مکھی نہیں بن سکتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ بن سکنے والی سب چیزیں انسان کی بنائی ہوئی ہیں اور نہ بن سکنے والی تمام اشیاء دستِ فطرت کی بنائی ہوئی ہیں۔ معبودان باطل کے متعلق قرآنی ارشاد ہے کہ . . . لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ۔ یہ سارے کے سارے خداوندان باطل مل کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ فطرت الٰہی کی مخلوق ہے۔ اسی اصول فطرت کے پیش نظر قرآن اپنے لیے کلام فطرت ہونے کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر یہ انسان کا بنایا ہوا ہو تو اس کا مقابلہ بہت آسان ہے۔ تمہارے منہ میں بھی زبان ہے اور تمہارے سر میں بھی دماغ ہے اور تم عرب دلو لنے والے بھی ہو۔ لیکن اگر ایسا کلام نہ لایا جا سکے تو اسی فطری اصول کے مطابق تمہیں اس نتیجے پر پہنچنا چاہیے کہ جس کی نظیر ناممکن ہو وہ انسانی صنعت اور مصنوعی کاری گری نہیں بلکہ فاطر السموات والارض ہی کی صنعت ہے —— غرض قرآن کے کلام فطرت اور اس کے بتائے ہوئے نظامِ زندگی کے دین فطرت ہونے کی دلیل میں جو حقیقت پیش کی گئی ہے وہ بھی آئینِ فطرت ہی کا مظہر ہے۔

ایک ضروری تمہید

اب ہم قرآن پاک سے چند ایسی مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اسلام کن کن لحاظوں سے عین مطابق فطرت ہے لیکن اسے سننے سے پہلے دو باتیں ہر وقت پیش نظر رکھیے:

۱۔ ایک یہ کہ انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ کائنات کا ایک نمونہ صغریٰ۔ ایک لطیف خیال سے لے کر ٹھوس مادے تک جتنے مدارج ہیں ان سب کی صفات انسان کے اندر موجود ہیں۔ وہ ایک تعین محض (ایغو) بھی ہے اور جوہر بھی، وہ نامی بھی ہے اور متحرک بالارادہ بھی۔ صاحب نطق بھی ہے اور صاحب شعور وتمیز بھی۔ وہ خدائی "انا" کی طرح ذات اور صفات بھی رکھتا ہے اور

نمکی قوتوں کا مالک بھی ہے۔ وہ اپنے اندر پتھر کی طرح جامد ہڈیاں بھی رکھتا ہے اور نباتی نمو رکھنے والے بال بھی۔ چوپایوں کی طرح حرکت بھی کرتا ہے اور پھر ایک برتر عقل و شعور و تمیز کا بھی مالک ہے ـــــ اس سے اور آگے بڑھیں تو پوری کائنات اور آسمانی مخلوقات کے خواص کا بھی یہ مظہر نظر آئے گا۔ اس میں روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی۔ حرکت بھی اور سکون بھی۔ خیال بھی اور تصور بھی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس خلاصۂ کائنات اور اشرف مخلوقات کو کن کن چیزوں کا مجموعہ بنایا ہے اور اپنی الگ انسانی فطرت کے علاوہ کائنات کی اور کن کن فطرتوں کو اس کے اندر کس کس تناسب سے رکھ دیا ہے۔ بہرکیف کائنات کے تمام ظواہر و بواطن کی فطرتوں کا مجموعہ ہے یہ مخلوق جسے انسان کہتے ہیں۔ لہٰذا اس کے نظام زندگی کی بقا کے لیے اسے جو دین فطرت دیا گیا ہے وہ کسی ایک نوع کی فطرت کے مطابق نہیں بلکہ پوری کائنات کی مختلف فطرتوں کی متناسب ہم آہنگی کا مظہر بنایا گیا ہے۔

۲۔ یہی وجہ ہے کہ اس دین فطرت کے کسی حصے کی مطابقت کہیں عمومی ہے اور کہیں خصوصی۔ کہیں پوری کائنات کی مشترک فطرت کو پیش کیا گیا ہے اور کسی جگہ خاص نوع کی فطرت سے ہم آہنگ کیا گیا ہے۔ اور کسی موقعے پر خود اس کی اپنی فطرت (فطرت سلیمہ) سے مطابق کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک حکم ہے کلوا واشربوا۔ کھاؤ پیو۔ یہاں یہ حکم حیوانی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے اور صرف یہی فطرت حیوانی پیش نظر ہے۔ اگر ہم یہاں یہ دیکھیں کہ یہ حکم چاند اور سورج کی فطرت سے ہم آہنگ نہیں تو یہ ہماری غلطی ہو گی۔ یہاں یہ سوچنا بھی غلطی ہو گا کہ اس حکم میں جملہ حیوانات یا کسی ایک حیوان کی حیوانی فطرت کے تمام تقاضوں کی ہم آہنگی کیوں موجود نہیں؟ مطابقت ہر جگہ مجموعی طور پر تمام انواع فطرت کی نہیں ہو گی۔ ممکن ہے وہ دوسری فطرتوں سے متصادم بھی ہو لیکن اس کے باوجود وہ کائناتی فطرت کے عین مطابق ہو گی۔ مطابقت کہیں طبیعی ہو گی کہیں عقلی، کہیں کلی، کہیں جزئی، کہیں بدیہی، کہیں نظری، کہیں تمثیلی اور کہیں واقعی ـــــ ان سب کی مثالیں آگے آئیں گی ان شاء اللہ۔

آئیے ان تمام نقطہ ہائے نظر سے قرآن پاک کو دیکھیں کہ فطرت اللہ، فطرت انسانی اور فطرت کائنات سے کہاں تک ہم آہنگ ہے۔ ہم اس نقطۂ نظر سے قرآن کو دیکھیں تو پورا قرآن ہی دین فطرت معلوم ہوگا۔ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات غرض پورے نظامِ زندگی کے لیے جو کچھ بھی قرآن میں ہے وہ عین فطرت ہے اس سے باہر نہیں۔ اس لیے ہم پورا قرآن پیش کرنے کی بجائے صرف چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جن میں تفسیر نہیں صرف اشارات ہیں۔

ہم سب سے پہلے سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے ہیں وباللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین ۵ ہر "حسن" کی تعریف و مدح انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ وہ حسن حواسِ خمس سے محسوس ہو (جیسے خوشنما رنگ، عمدہ خوشبو، اچھی آواز، دلپسند ذائقہ یا مرغوب لمس وغیرہ) یا دل اس کی فرحت کو محسوس کرے (جیسے احسان، حسن خلق، مضمون لطیف وغیرہ)۔ ہر مرغوب حسن کی تعریف انسان کی فطرت ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ صنعت کی مدح دراصل صانع کی مدح ہوتی ہے پس اس پوری کائنات میں جہاں جہاں بھی ظاہری و باطنی جمال و حسن موجود ہے ان کی توصیف و تعریف عین اس کی تعریف ہوگی جو اس پوری کائنات کے حسن و جمال کا بخشندہ ہے۔ کیا یہی بات نہیں جو الحمد للہ الخ میں کہی گئی ہے؟ پس یہ عین فطرت کی ترجمانی ہے۔

الرحمٰن الرحیم ۵ ملک یوم الدین ۵ انسان کے اندر فطرۃً دو متضاد چیزیں موجود ہیں۔ امید اور خوف۔ ایک کی طرف لپکتا ہے اور دوسری سے بچنا چاہتا ہے۔ ہر کام کی محرک یہی دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایمان بھی ان ہی دونوں کیفیتوں کے مجموعے کا نام ہے۔ کوئی ایک ہی کیفیت ہو اور دوسری نہ ہو تو زندگی میں کبھی اعتدال و توازن نہیں باقی رہ سکتا۔ پس یہ دونوں جذبے (امید و خوف) بھی عین فطرت انسانی ہے اور ان میں متناسب توازن بھی تقاضائے فطرت ہی ہے اور ان ہی دونوں فطری کیفیتوں کا مصدر و منبع ہے وہ ذات جو تمام محامد کا بھی مرجع و مآب ہے اور صاحب رحمت و صاحب عدل بھی ہے۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین ۵ عبودیت انسان کی ایسی مسلّمہ فطرت ہے کہ ایک صاحب عقل بھی اس

کا منکر نہیں ہو سکتا۔ انسان کسی نہ کسی کے آگے جھکتا ضرور ہے۔ اور جھکتا بھی اسی کے آگے ہے جس سے کوئی امید رحمت ہو یا خوف زیاں ہو۔ یہ جذبہ اسے کائنات میں سے کسی ادنیٰ مخلوق کے آگے جھکا دیتا ہے یا اپنے جیسے انسان کے آگے یا پھر خود " اپنے آگے "۔ اسی فطرت کی صحیح راہنمائی اس آیت نے کی ہے اور یہ محل صحیح کا استعمال بھی عین فطرت ہے۔

اسی طرح سمجھیے انسان اپنا ہر کام اپنی عین مرضی کے مطابق پورا کرنے پر قادر نہیں۔ بسا اوقات وہ بے بس ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے۔ یہ طلبِ امداد انسانی فطرت ہے لیکن یہ غلط سمت بھی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ بڑے سے بڑے مددگار بھی بعض اوقات خود بے بس ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس جذبے (طلب اعانت) کو غلط سمت کی طرف جانے کی بجائے صحیح سمت میں لگا دیا گیا۔

اھدنا الصراط المستقیم ۰ صحیح، معتدل، پائدار، قریب ترین اور سیدھی راہ کی تلاش کس کی فطرت میں نہیں؟ اپنے ہر کام کے لیے انسان ایسی ہی راہ کا فطرۃً طالب ہوتا ہے۔ پس یہ دعا بھی عین فطرت انسانی کی ترجمانی ہے۔

صراط الذین انعمت علیھم لا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنے کی خواہش بھی فطرتِ انسانی ہے۔ اور انسان فطرۃً ان لوگوں کی راہ سے گریز کرتا ہے جن کا انجام غضب یا ضلال ہوا ہو۔ (باقی آئندہ)

گلستانِ حدیث

مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیثِ نبوی کی تشریح جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ اندازِ نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ مجلد مع گرد پوش قیمت ۵۰/۲ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور